

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

نظرات

اسلام ہی انسانیت کے لئے اللہ کا ایک پسندیدہ و مکمل دین ہے جس کے سوا کوئی دین نہ دنیا میں غالب ہو سکتا ہے نہ عند اللہ مقبول، یہ دین مسلسل حرکت و جہاد کا داعی ہے اور انہی لوگوں کے لئے اللہ کی راہوں تک پہنچنے کی ضمانت دیتا ہے جو حق تک پہنچنے کے لئے پیہم جدوجہد کرتے رہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا عمل دیکھ کر ہمیں یہ نتیجہ نکالنے میں دیر نہیں لگے گی کہ صدر اسلام کی حیرت انگیز کامیابیوں اور فتوحات کا راز یہی تھا کہ وہ دین اللہ کے بخشے ہوئے خالص و سادہ اصولوں کو اپنا کر تمام نئے پیش آنے والے مسائل کو ان ہدایات کی روشنی میں اجتہاد کے ذریعہ طے کرتے چلے جاتے تھے، لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا لوگ دین کی اصل قوت محرکہ سے دور ہوتے گئے اور مختلف شخصیتوں، ان کے کارناموں اور ان کے طریقوں کو دین میں شامل کرتے چلے گئے اور نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس بارتلے دب کر اپنی قوت محرکہ سے محروم ہو گئے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرز عمل سے متنبہ کرتے ہوئے صحابہ کرام سے فرمایا تھا: ”تم اپنی پیشرو اقوام کی پوری پوری پیروی کرو گے“ یعنی جس طرح انھوں نے اپنے دین کی حیات بخشنے کی تعلیمات پر رسم و رواج، عصمتِ اسلاف، اتباعِ ہوئی اور سرمایہ پرستی کے دبیز حجابات ڈال کر دین کے رہنما اصولوں کو فراموش کر دیا تھا یہ امت بھی وہی طریقہ اختیار کرے

ناید رسول اللہ ﷺ کی اسی پیشگوئی کی شرح کرتے ہوئے محترم مولانا سعید احمد اکبر آبادی، صدر دینیات علی گڑھ مسلم یونیورسٹی، و مرتب ”برہان“ نے گزشتہ سال پاکستان کا دورہ کرتے ہوئے تحقیقات اسلامی کی ایک علمی مجلس میں کہا تھا:-

”تاریخی عوامل مسلسل کام کرتے رہتے ہیں جس طرح باقی مذاہب عالم تاریخی عوامل کا شکار ہیں، اسلام بھی ان کی زد سے نہ بچ سکا۔۔۔۔۔ ہر مذہب آغاز کار میں چند اصولوں کا داعی اٹھتا ہے پھر ان اصولوں کی بنیاد پر ایک معاشرہ معرض وجود میں آتا ہے اور پھر اس معاشرہ میں کی ایک تاریخ بنتی ہے، کچھ عرصہ تک وہ قوم ان رہنما اصولوں کی روشنی میں اپنے مسائل حل کرتی ہے لیکن بعد میں اس قوم کی تاریخ اس کے اصولوں کی جگہ لے لیتی ہے اور وہاں سے اس بدیختی کا آغاز ہو جاتا ہے۔ ہر مذہب کے ساتھ یہی ہوا، اور یہی مذہب اسلام کے ساتھ ہوا۔“

اسلام صلح و آشتی اور محبت و سلامتی کا دین ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-
 لِمَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُونَ مِنْ لِسَانِهِ وَبِيدِهِ - یعنی مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمانوں کو کوئی تکلیف نہ پہنچے۔ اسلام میں تمام وہ کام حرام ہیں جن سے میں فتنہ و فساد پھیلے اور تمام وہ کام مطلوب ہیں جن سے انسانیت امن و سلامتی اور فلاح تک پہنچ جائے، اللہ تعالیٰ انبیاء کو واضح تعلیمات کے ساتھ بھیجے اور ان پر کتابیں اور لصفات کا پیمانہ (میزان) نازل کرنے کا مقصد یہ بیان فرماتا ہے کہ لوگ امن و سلامتی اور انصاف پر مبنی زندگی گزار سکیں (۵۷/۲) خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کام مقصود بتاتے ہوئے فرمایا:

نُشِتْ لَا تَمُتْ مَكَارِمَ مجھے اس لئے رسول بنا کر بھیجا گیا ہے کہ میں

خلاق - اخلاق فاضلہ کی تکمیل کر دوں۔

نچر آپ دیکھیں گے کہ قرآن مجید معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے روکتا ہے، وہ جب

یسی کام کے کرنے کا حکم دیتا ہے تو اس لئے کہ انسانوں میں امن و سلامتی اور عدل و انصاف باقی رہے
 و جب کسی کام سے منع کرتا ہے تو اس لئے کہ انسانوں میں ظلم و محساد اور بد نظمی و انتشار نہ پھیلنے پائے
 جب وہ کہتا ہے کہ آپس میں اپنا مال ناحق نہ کھاؤ تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ ایسا کرنے سے انسانوں
 و ان کے پورے پورے حقوق نہیں ملتے اور عدل باقی نہ رہنے کی وجہ سے ان کے معاشرہ میں
 فساد باقی نہیں رہتا۔ جب رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: ”لَا دِينَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهُ“ یعنی جو عہد و
 بیان پر پورا نہ اترے اس کا کوئی دین نہیں تو اس سے دراصل یہ بتانا مقصود ہے کہ کامیاب
 معاشرہ وہی ہوتا ہے جس میں لوگوں کو ایک دوسرے پر اعتماد ہو۔ اور وہ باہمی تعاون سے
 ہمہ گیر جھلائی کے لئے جدوجہد کرتے رہیں۔

آئیے اس تمہید کو ذہن میں رکھ کر ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مختصر لیکن جامع تر
 حدیث پر غور کریں اور دیکھیں کہ ہم اس حدیث کے مطلوبہ تقاضے اپنی زندگی کے تمام گوشوں
 میں کس حد تک پورے کر رہے ہیں۔ آپ کا وہ حکیمانہ فرمان یہ ہے:

الایمان بضع وسبعون شعبۃ و ایمان کے ستر سے اوپر درجے ہیں۔ ان میں
 افضلہا قول لا الہ الا اللہ و اذناہا سب سے افضل لا الہ الا اللہ کہنا ہے اور ان میں
 اماطۃ الاذی عن الطریق۔ سب سے ادنیٰ درجہ راستہ سے دکھ دینے والی چیز
 کو دور کر دینا ہے۔

غور کیجئے اس حدیث میں ایمان کے ستر سے اوپر مدارج میں سے ایک تو سب سے بلند و افضل
 درجہ بتایا گیا ہے اور دوسرا سب سے کمتر اور ادنیٰ درجہ۔

اعلیٰ ترین درجہ وہ ہے جس سے انسانی عظمت کا تعلق اللہ کی ذات بلند و برتر سے
 جاملتا ہے اور انسان کو اپنے اور اللہ کے درمیان کوئی قوت حائل نظر نہیں آتی وہ صرف اللہ
 کو اپنا معبود مانتا ہے، اس کا کسی کو شریک نہیں گردانتا، ہر طاقت جو اللہ اور بندہ کے درمیان
 حائل ہونا چاہے وہ اس کا انکار کرتا ہے، وہ کسی قوت کو اللہ کی قوت سے بلند و بالا نہیں سمجھتا،
 وہ ہر اس طاعت کا دشمن بن جاتا ہے جو اللہ کی راہ میں رکاوٹ بنتا ہے، اس کا سر اللہ کے
 حکم کے مقابلہ میں کسی غیر اللہ کے سامنے نہیں جھکتا، وہ نہ خواہشات کی بندگی کرے گا نہ

دولت و رسم و رواج کی، وہ نہ انسانوں کو رب بنائے گا نہ شیطانوں کو۔

انسانوں کے درمیان اس کلمہ کے اعتراف سے ایک ایسی مساوات پیدا ہو جاتی ہے جس سے وہ اپنا صحیح مقام پالینے کے بعد ایک دوسرے پر حکمرانی کرنے کے بجائے ایک دوسرے کے بھائی بن جاتے ہیں، یہ کلمہ محبت و عداوت کا ایک ایسا پیمانہ دیتا ہے جس کے بعد عدل و حق کی راہ میں نہ قوم و وطن کی محبت حائل ہوتی ہے نہ اہل و عیال کی، انسان اللہ کا ہو جاتا ہے اور اس کے سامنے صرف ایک ہی مقصد ہوتا ہے، اللہ کا بتایا ہوا مقصد، لوگوں میں عدل و انصاف کا قیام۔ بنی نوع انسان کی بھلائی۔ اور اس راہ میں نہ سیاسی اغراض حائل ہوتی ہیں نہ ذاتی اغراض، بلکہ ہماری سیاست، اقتصاد و تجارت، علم و صنعت، حتیٰ کہ ہر عمل اور ہر حرکت کا مقصد اللہ کی رضا جوئی ہو جانا ہے۔ الغرض یہ کلمہ ہمیں مسلسل خیر پہ مائل رکھتے ہیں لامتناہی قوتیں بخشتا ہے۔

اب لیجئے اس فرمانِ رسولؐ کا دوسرا حصہ جس میں ایمان کا آخری درجہ یہ بتایا گیا ہے کہ راستہ سے تکلیف دہ چیز کو دور کر دینا۔

اس میں ایک بڑا تصور یہ ہے کہ ہر فرد یا قافلہٗ انسانیت مسلسل راستہ پر چلا جا رہا ہے اور وہ ثابت نہیں متحرک ہے۔ پھر یہ کہ ایمان کی وجہ سے ہم سب کا فرض ہے کہ جہاں کسی کی راہ میں کوئی مشکل یا کوئی ایسی تکلیف پیش آجائے جس سے فرد یا جماعت کی پیش قدمی رک جائے تو اس رکاوٹ کو زائل کر دیا جائے۔

اگر ایک فرد کو لغزش سے بچانے کے لئے اس کی راہ سے کاٹنا یا کیلے کا چھلکا ہٹا دینا ایمان کا تقاضا ہے تو یاد رکھیے ایمان کا تقاضا اسی پر ختم نہیں ہو جاتا۔ ایک مسافر کے راستہ سے سفر کی صعوبتیں دور کر دینا، ایک طالب علم کے راستہ سے تعلیمی رکاوٹیں دور کر دینا، ایک مریض کے راستہ سے علاج کے موانع دور کر دینا، ایک ننگے بھوکے کے راستہ سے اس کی مشکلات ہٹا دینا، ایک مظلوم کے سامنے سے ظلم کا پہاڑ ہٹا دینا، ایک طالب حق کی راہ سے حق روکنے والی قوت کو دفع کر دینا بھی ایمان کا تقاضا ہے۔

یہی نہیں بلکہ قوموں کی ترقی، فلاح و بہبود اور امن و سلامتی کی راہ میں ڈاکہ مارنے والوں

کونما کام بنانا، امتوں کی بیماریوں کی چارہ سازی کرنا، مختلف پیشہ ور جماعتوں کو ان کے کاموں میں مدد پہنچانا، بھی ایمانی فریضہ ہے۔ حق و انصاف کی آواز کو روکنے والے خواہ وہ کسی رنگ میں ہوں، جہالت و بیماری کو پھیلانے والے اسباب خواہ وہ کسی نام سے ہوں، انسانیت کو اللہ کی بخشش ہوئی آزاد یوں سے محروم کرنے والے خواہ وہ کسی روپ میں ہوں قافلہ انسانیت کی راہ کے روڑے ہیں انہیں راستہ سے ہٹانا ہمارے ایمان کا تقاضا ہے اور یاد رکھیے کہ انسانیت کو یہ سہولیتیں فراہم کرنا ایمان کا ادنیٰ درجہ ہے۔ جس فرد یا قوم میں یہ جذبہ نہ ہو وہ آگے بڑھنے اور ترقی کرنے کے حق سے محروم رہ جاتی ہے۔ وہ نہ اپنا حق لے سکتی ہے نہ دوسروں تک حق پہنچا سکتی ہے۔ دوسرے الفاظ میں وہ منجمد اور مردہ ہے۔ اگر ہم ایسا نہیں کرتے تو اس کا صاف مطلب یہ ہوگا کہ ہم ایمان سے محروم ہیں۔ اعاذنا اللہ منها۔

یہ ہیں ایمان کے اعلیٰ اور ادنیٰ دو مدارج کے تقاضے، اور یہ مدارج فرمانِ رسولؐ کے مطابق ستر سے زیادہ ہیں۔ اندازہ لگائیے کہ اس اعلیٰ درجہ اور ادنیٰ درجہ کے درمیان ایمان کے کیا کچھ تقاضے ہوں گے اور انسانی معاشرہ کی فلاح و بہبود کے کون کون سے مدارج ہوں گے؟ یہی وہ ایمان کی ذمہ داریاں تھیں جن کی وجہ سے صحابہ کرام نہایت تندہی اور سرگرمی سے ہمہ گیر خیر و فلاح اور مفاد عامہ میں منہمک رہتے تھے اور انہیں ہر دم اپنے ایمان کے زائل ہونے کا اندیشہ لگا رہتا تھا۔

اگر ہمیں قافلہ اسلام کو تیز رفتار کرنا ہے تو ایک طرف تو ہمیں اپنی تاریخ کو دینی اصولوں سے علیحدہ کر کے اصرار و اغلال کے فضول بوجھ سے نجات حاصل کرنا ہوگی۔ دوسری طرف ہمیں اپنے ایمان کے تقاضوں کو نہایت ذمہ داری سے پورا کرنے کے لئے مسلسل جہاد اور سپہم عمل کا مسلک اختیار کرنا ہوگا۔

